© rasailojaraid.com

تغیر پذیر معاشرے میں شریعت کا کردار

مولانا محمد طاسین صاحب
مجلس علمی کراچی

الحمد للہ رب العلمین ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد الانبیاءؑ واشرف المرسلین محمدؐ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، امّا بعد فقد قال اللہ عزوجل فی کتابہ المبین : ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ صدق اللہ العظیم۔

"تغیر پذیر معاشرے میں شریعت کا کردار" سے میرا مقصد اُس کردار و رول کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے جو شریعت اسلامی ایسے نئے مسائل کے بارے میں ادا کرتی ہے جو تبدیلی حالات کے تحت معاشرے میں رونما ہوتے اور اپنا حل چاہتے ہیں، بالفاظ دیگر مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ معاشرے میں حالات کے تغیر سے جو نئے مسائل سامنے آتے ہیں شریعت ان سے کس طرح نمٹتی اور عہدہ برا ہوتی ہے، لیکن چونکہ اس ساری بحث و گفتگو کا تعلق شریعت اسلامی سے ہے لہذا ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے شریعت کے متعلق کچھ عرض کیا جائے کہ وُہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے کیا ہے اور اپنے مقصد و منشا کے اعتبار سے کیا؟

شریعت اسلامی پورے اسلامی نظام کا ایک لازمی حصّہ ہے

اس سلسلہ میں عرض کرنے کی پہلی بات یہ کہ اسلامی شریعت دراصل پورے اسلامی نظام کا ایک لازمی جزء اور ناقابل انفصال حصہ ہے، پورے اسلامی نظام حیات کے دو جُزیا دو حصّے ہیں ایک کا تعلق ایمانی عقائد سے ہے اور دوسرے کا تعلق شرعی احکام و قوانین سے ہے، ایمانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقائد جن کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا قرآن و حدیث کی رو سے پانچ ہیں، سب سے پہلا اور بنیادی عقیدہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا عقیدہ ہے، پھر اللہ کے ملائکہ کا عقیدہ، اللہ کی آسمانی کتابوں کا عقیدہ، اللہ کے رسولوں کا عقیدہ اور آخرت کی زندگی اور جزا و سزا کا عقیدہ اُس تفصیل کے ساتھ جو قرآن مجید میں ان عقائد کے متعلق بیان ہوئی ہے، یہ ایمانی عقائد انسان کے قلب و ذہن سے تعلق رکھتے اور اُس کی سوچ و فکر کو متاثر کرتے ہیں، اِن ایمانی عقائد سے انسان کو بعض نہایت اہم و بنیادی سوالات کے جوابات ملتے ہیں جو اس کے ذہن میں پیدا ہوتے اور اُسے مضطرب کرتے ہیں جیسے یہ سوال کہ کائنات کی حقیقت اور اس کا آغاز اور انجام کیا ہے؟ خود انسان کا مبدأ و معاد اور کائنات میں اس کی حیثیت و پوزیشن کیا ہے؟ انسان کی بہ نسبت خیر و شر اور نیکی و بدی کی حقیقت کیا ہے؟ انسان اپنے اعمال و افعال میں بالکل آزاد ہے یا کسی کے سامنے جواب دہ ہے؟ مذکورہ ایمانی عقائد سے انسان کو ان سب سوالات کے جوابات مل جاتے اور اُس کے ذہن کی تشفی و تسلی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان ایمانی عقائد سے انسان کے ذہن و فکر میں اور اس کے اخلاقی احساسات میں آفاقیت اور عالمگیر وسعت پیدا ہوتی اور اس کی سوچ ایک خاص رخ اور رنگ اختیار کرتی ہے اور سب سے بڑی چیز یہ کہ اس کے ذہن کے سامنے جمال و جلال اور خیر و حسن کا ایک اعلیٰ ترین آئیڈیل متشکل ہوتا ہے جو اسے ایک بہتر سے بہتر انسان بننے میں مدد اور سہارا دیتا اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف و فضائل سے آراستہ ہونے میں ممد و معاون بنتا ہے۔

شرعی احکام یا شریعت سے مراد وہ عملی احکام اور اوامر و نواہی ہیں جو عملی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اللہ اور اس کے رسول نے تجویز کئے اور قرآن و حدیث اور کتاب و سنت میں اجمال اور تفصیل کے ساتھ پائے جاتے ہیں بالفاظ دیگر شریعت نام ہے ان ایجابی و امتناعی احکامات کے مجموعے کا جو انسان کے اچھے بُرے اعمال و افعال کی تحدید اور نشاندہی کرتے اور اسے ایک ایسا لائحہ عمل دیتے ہیں جس کے ذریعے افراد کے مختلف قسم کے حقوق کا تحفظ ہوتا اور اجتماعی امن و اطمینان کی خوشگوار فضا وجود میں آتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں شریعت کے جو احکام ہیں بعض جزوی صراحت کے ساتھ تفصیلی صورت میں اور بعض اصول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومبادی کے ضمن میں بصورت اجمال ہیں ، پھر ان میں سے بعض کا تعلق عبادات یعنی نماز ، روزے ، زکوٰۃ صدقے ، حج وعمرے اور تبلیغ وجہاد وغیرہ سے ہے اور بعض کا تعلق مختلف قسم کے معاملات سے ہے کچھ کا مناکحات یعنی نکاح طلاق وغیرہ عائلی و خاندانی امور ومعاملات سے ، کچھ کا عام معاشرتی امور و تعلقات سے ، کچھ کا معاشی واقتصادی معاملات ومسائل سے ، کچھ کا سیاسی امور ومعاملات اور عقوبات یعنی مختلف جرائم اور ان کی سزاؤں سے ، کچھ کا تمدنی وتہذیبی امور سے ہے اسی طرح احکام کی ایک قسم وہ بھی ہے جو اشیائے خورد ونوش کے حلال وحرام کا تعین کرتی ہے ، پھر ان جملہ احکامات وہدایات میں سے بعض کی حیثیت فرض و واجب کی ، بعض کی حیثیت مستحب ومندوب کی ، بعض کی حرام ومحظور کی ، بعض کی مکروہ وغیر اولیٰ کی اور بعض کی حیثیت مباح کی ہے ، اسی طرح بعض احکام مستقل اور دائمی مصالح سے وابستہ ہونے کی وجہ سے مستقل اور دائمی حیثیت رکھتے ہیں اور ناقابل تغیر ہیں جیسے عبادات اور مناکحات سے تعلق رکھنے والے احکام ، اور بعض عبوری حالات اور وقتی مصالح سے متعلق ہونے کی وجہ سے غیر مستقل اور ہنگامی حیثیت رکھتے اور قابل تغیر ہیں جیسے جنگی امور ، غنیمت جزیہ اور غلامی وغیرہ سے تعلق رکھنے والے احکام کہ جو امن وسلامتی اور تکریم آدمیت و احترام انسانیت سے مطابقت نہ رکھنے کی وجہ سے منشاء اسلام کے خلاف ہیں لیکن بعض مخصوص حالات میں جماعت مسلمہ کی وقتی مصلحت کی خاطر انہیں اختیار کرنا ناگزیر ہوتا ہے گویا جوابی کاروائی کے طور پر ۔

تمام ادیان میں ایمانی عقائد اور عملی احکام کی نوعیت

یہاں یہ عرض کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ تمام ادیان سماویہ میں ایک حصہ ایمانی عقائد کا اور دوسرا حصہ شریعت یعنی شرعی عملی احکام کا رہا ہے اور یہ کہ ایمانی عقائد والا حصہ سب میں یکساں اور شریعت والا حصہ ایک دوسرے سے ضرور کچھ نہ کچھ مختلف رہا ہے جس کی وجہ یہ کہ ایمانی عقائد کا جن مقاصد سے تعلق تھا وہ ہر زمانے اور ہر ملک ومعاشرے میں یکساں رہے لہٰذا ہر نبی و رسول نے اُن کی ایک طرح سے تعلیم دی ، یہ دوسری بات ہے کہ ہر دین کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماننے والوں نے آگے چل کر ان عقائد کو اپنی اصلی اور حقیقی صورت میں نہ رہنے دیا بلکہ غلط تاویلات کے ذریعے اُن کو ایسا بدلا کہ وہ اپنی اس افادیت سے تہی دست ہوگئے جو اُن سے مطلوب تھی، یہ المیہ خود مسلمانوں کے ساتھ بھی پیش آیا، قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت کی جو شکل وصورت ہے وہ بدقسمتی سے ہمارے ذہنوں میں بہت کم کہیں پائی جاتی ہے عام طور پر جو شکل پائی جاتی اور جس کا اظہار ہماری عملی زندگیوں سے ہوتا ہے وہ ہر عقیدے کی نہایت بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ شکل وصورت ہے، صحیح عقائد کے جو عملی اثرات بندۂ مومن کی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں وہ خال خال ہی کہیں نظر آتے ہیں اور ہر دین کے شریعت والے حصّہ کی تشکیل اور وضع وساخت میں چونکہ قوم کے خاص زمان ومکان، احوال وظروف، عرف وعادات، مزاجی خصوصیات تک کو ملحوظ رکھا گیا تاکہ قوم آسانی سے اسے قبول کر کے اس پر عمل پیرا ہوسکے لہٰذا مختلف زمانوں ومکانوں میں قوموں کے لیے جو شریعتیں تجویز ہوئیں ان کا ظاہری شکل وصورت میں ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ہونا قدرتی امر تھا، البتہ اہدافِ شریعت اور مقاصد شریعت سب کے سامنے یکساں رہے یعنی انسانی جان کا تحفظ، مال کا تحفظ، عزت وآبرو کا تحفظ، عقل اور دماغی جسمانی صحت کا تحفظ، نسل کا تحفظ اور دین اور دینی شعور کا تحفظ، ہر دین کی شریعت میں ملحوظ رکھا گیا۔

عقائد واحکام کا تعلق اس سلسلہ میں ایک اور خاص بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ کہ دین اسلام کے دونوں حصّوں یعنی ایمانی عقائد اور شرعی احکام کے مابین کئی وجوہ سے نہایت مضبوط تعلق ہے اور وہ باہمدگر اس طرح مربوط وہم آہنگ ہیں جس طرح کسی کل کے تمام اجزاء آپس میں مربوط ومنظم اور ہم آہنگ ہوتے ہیں پھر جس طرح کسی کُل کے اجزاء میں سے بعض کی حیثیت بنیادی اور اساسی اور بعض کی سطحی وبالائی ہوتی اور مقصد کے لحاظ سے بعض کی اہمیت دوسرے بعض کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے اسی طرح اسلامی نظام کے دو حصوں اور اجزاء میں سے ایمانی عقائد والے حصہ وجزء کی حیثیت اساسی وبنیادی اور شرعی احکام والے جزء وحصہ کی سطحی وبالائی ہے، اگر اسلامی نظام کو ایک درخت سے تشبیہ دی جاسکتی ہو تو ایمانی عقائد کی حیثیت درخت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جڑوں کی سی اور شرعی احکام کی مثال درخت کے اُوپر کے حصے تنے شاخوں، ٹہنیوں اور پتیوں وغیرہ کی سی ہوگی، نیز جس طرح درخت کے باہر کے حصے کے قیام و بقا، نشو و نما اور بارآور ہونے کا دارومدار اُس کی جڑوں والے حصّہ پر ہوتا ہے اسی طرح شرعی احکام کے وجود و بقا اور منفعت بخش و بابرکت ہونے کا انحصار، ایمانی عقائد پر ہے، وُہ ذہنی کیفیت جو انسان کو شرعی احکام کی پابندی پر ابھارتی اور جس کی وجہ سے وُہ اپنی مرضی خوشی سے شرعی احکام پر عمل کرتا اور ان کی برکات سے مستفید ہوتا ہے صرف ایمانی عقائد سے انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے شرعی احکام کا تعلق ایمانی عقائد سے نہ ہو تو اُن کا روحانی تقدس ختم ہو جاتا اور وہ انسانوں کے وضع کردہ عام قوانین بن کر رہ جاتے ہیں، علاوہ ازیں غور سے دیکھا جائے تو احکام شریعت کا اللہ تعالیٰ کے بعض صفات سے خاص تعلق نظر آتا ہے جیسا کہ مقتضی اور مقتضا کے مابین ہوتا ہے، مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ جمالی اور جلالی صفات سے ذاتی، کامل اور دائمی طور پر متصف اور وہی ہر عظمت و کبریائی کا مالک ہے وہ جمالی صفات جن کی معرفت سے انسان کے اندر محبت کا جذبہ ابھرتا اور وہ جلالی صفات جن کے عرفان سے آدمی کے اندر خوف و رہب کا جذبہ پیدا ہوتا ہے سب کے سب حقیقی طور پر ذات الٰہی میں جلوہ گر ہیں، اور یہ کہ انسان کا ہر نفع و نقصان اور فائدہ و ضرر صرف اللہ کے ہاتھ و اختیار میں ہے انسانوں کو جو بے شمار اور گوناگوں نعمتیں حاصل ہیں سب اس کی پیدا کردہ اور عطا کردہ ہیں لہٰذا اس کا یہ تقاضا ہے کہ بندے اللہ ہی کی عبادت و پرستش بھی کریں صرف اسی کے سامنے مراسم عبودیت بجا لائیں اور زندگی کے تمام امور و معاملات میں بھی اللہ کے احکام کی اطاعت و پابندی کریں اور یہ کہ بندوں کے لیے عبادات کا ایسا نظام ہو جس کی پابندی سے مقصد عبادت احسن و اکمل طور پر حاصل ہو سکتا ہو، نیز ایک ایسا مجموعہ احکام و قوانین ہو جس کی اطاعت و فرمانبرداری اور پابندی و پیروی سے انسان کو دنیوی و اُخروی فوز و فلاح نصیب ہو سکتی ہو، غور سے دیکھا جائے تو شریعت اسلامی تقاضائے مذکور کو احسن طور پر پورا کرتی ہے اس میں جو عبادات کا نظام ہے مقصد عبادت کے لیے اس سے بہتر نظام عبادات ممکن نہیں، اسی طرح اس میں جو مجموعہ احکام و قوانین ہے مقصد کے لحاظ سے وہ بہترین مجموعہ احکام و قوانین ہے جس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہتر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، پھر اس مجموعہ احکام و قوانین میں جو معاشی نوعیت کے ہیں ان کا اقتضائی تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت عامہ اور رزاقیت شاملہ سے ہے جو سیاسی قسم کے ہیں اُن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت بادشاہت صفت حاکمیت اور صفت عدالت سے ہے، اسی طرح باقی اقسام میں سے بھی احکام کی ہر قسم کا تعلق اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت سے ہے۔ احکام شریعت کا ایمانی عقائد سے تعلق اس پہلو سے بھی ہے کہ قرآن حکیم کی رو سے احکام شریعت کے مکلف صرف وہ لوگ ہیں جو ایمانی عقائد رکھتے ہوں اس کا ثبوت یہ کہ قرآن مجید کی جن آیات میں احکام شریعت کا بیان ہے۔ان کے مخاطب اہل ایمان ہیں ایسی آیات کے شروع میں یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے کلمات ہیں۔

شریعت کا دنیوی مقصد۔حیات طیبہ

نیز ایمانی عقائد اور شرعی احکام کے مابین تعلق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلامی نظام ہدایت کے وجود کا جو دنیوی مقصد ہے وہ اِن دونوں کے اشتراک ہی سے حاصل ہوتا ہے نہ تنہا ایمانی عقائد سے حاصل ہوتا ہے اور نہ تنہا احکام شریعت سے، بلکہ ایک ساتھ دونوں کے تعاون سے حاصل ہوتا ہے، وہ مقصد جیسا کہ بعض قرآنی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں دنیا میں ایک ایسا عادلانہ انسانی معاشرہ قائم ہو جس میں تحفظ حقوق کی بنا پر ہر فرد کو پائیدار امن و اطمینان کی خوشگوار زندگی نصیب ہو جس کو قرآن حکیم نے خوف و حزن سے پاک زندگی، حیاتِ طیبہ، حَسَنَہ اور بُشریٰ وغیرہ سے تعبیر کیا ہے، جن قرآنی آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے اُن میں سے ایک آیت سورۃ الحدید کی یہ آیت ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔

ترجمہ: اور ہم نے اپنے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اُتاری تاکہ لوگ عدل و قسط پر قائم ہو جائیں۔ اس آیت مبارکہ میں صاف بیان ہے کہ اللہ نے انسانی ہدایت کے لیے وحی و رسالت کا جو مقدس سلسلہ قائم فرمایا اُس میں اس چیز کو بطور مقصد کے سامنے رکھا گیا کہ یہاں دنیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ایک ایسے انسانی معاشرے کا قیام عمل میں آئے جس کے ہر پہلو میں عدل و انصاف پایا جاتا ہو، اور چونکہ سلسلۂ رُسُل و انبیاء کے آخری رسول و نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلسلۂ کُتب کی آخری کتاب قرآن مجید ہے لہٰذا ان کی ہدایت و راہنمائی کا مقصد بھی وہی ہونا چاہیے جو سب رسولوں اور کتابوں کی ہدایت کا تھا یعنی لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔

اور یہ غالباً اس لیے کہ اس دنیا میں اگر کسی انسان کو پائیدار اور مستقل امن و اطمینان کی خوشگوار زندگی مل سکتی ہے تو صرف ایسے ہی معاشرے میں جس کے اندر ہر انسان کے ہر قسم کے حقوق ٹھیک ٹھیک محفوظ ہوں اور کسی کو کسی سے ظلم و حق تلفی کی شکایت نہ ہو اور ہر ایک کو عدل کی بنیاد پر وہ تمام مادی اور روحانی اشیاء میسر ہوں جن سے انسان کے طبعی جبلی، ذہنی عقلی، روحانی اور اخلاقی تقاضے پورے ہوتے اور اُسے قلبی سکون و اطمینان ملتا ہے نیز ایک ایسے ہی عادلانہ معاشرے میں افراد کی خلافتی صلاحیتوں کو ابھرنے اور بروئے کار آنے کا موقع ملتا ہے جو تسخیر کائنات کی غرض سے ان کو ودیعت کی گئی ہیں۔

دوسری قرآنی آیت جس سے مقصد مذکور پر روشنی پڑتی ہے سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

ترجمہ: پس آئے گی تمہارے پاس ضرور میری طرف سے ہدایت، سو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی نہ ان پر کوئی خوف سوار ہوگا اور نہ وہ غمگین و رنجیدہ ہوں گے۔

تیسری آیت سورۃ النحل کی یہ آیت ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔

ترجمہ: جس نے بھی نیک عمل کئے مرد ہو یا عورت درانحالیکہ وہ مومن ہو ہم اسے ضرور حیاۃ طیبہ سے نوازیں گے اور بطور جزا ان کو ضرور بالضرور ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعمال کا نہایت اچھا اجر دیں گے جو وہ کرتے رہے تھے مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس آیت میں حیاۃ طیبہ کا تعلق دنیا سے اور احسن جزا کا تعلق آخرت سے ہے۔

چوتھی آیت سورۃ النحل ہی کی یہ آیت ہے :

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَّ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ۔

ترجمہ : اُن مومن بندوں کے لیے جنہوں نے احسان و نیکی کی زندگی اختیار کی اس دنیا میں بھی اچھی و خوبصورت حالت ہے اور آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے۔

پانچویں قرآنی آیت سورہ یونس کی یہ آیت ہے :

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۔ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدنیا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۔ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۔

ترجمہ : آگاہ رہو کہ جو اللہ کے دوست ہیں نہ ان کو آئندہ کا کوئی خوف و ڈر ہوگا اور نہ وہ گذشتہ پر غمگین و رنجیدہ ہوں گے ، وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے اور بُرے کاموں سے بچتے رہے ان کے لیے بڑی خوشی کی حالت ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی ، یہ اللہ کے کلمات ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ، یہ مومن بندوں کے لیے عظیم کامیابی ہے۔

سورۃ النور کی ایک آیت کا ترجمہ ہے : اللہ کا اُن لوگوں کے لیے وعدہ ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے یہ کہ وہ انہیں ضرور زمین کی خلافت و بادشاہت سے نوازے گا جیسے اُس نے ان سے پہلے نیکوکار مومنوں کو نوازا ، اور ان کے دین کو ان کے لیے ضرور مضبوط و مستحکم کرے گا جو اُس نے ان کے لیے پسند کیا اور ان کے خوف کو ضرور امن سے بدل دے گا۔

یہاں یہ عرض کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ جہاں تک آخرت کی جنت کا تعلق ہے وہ ایک حدیث نبوی کے مطابق کسی کو اس کے ایمان اور عمل صالح کے صلہ میں بطور استحقاق نہیں ملے گی بلکہ اللہ کے سچے مطیع و فرمانبردار بندوں کو جو اُس کی رضا و خوشنودی چاہتے ہیں اللہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رحمت سے بطور انعام ملے گی، لیکن نیکوکار مومنوں کے لیے دنیا میں جس حیاۃ طیبہ، حسنہ اور بشریٰ کا بطور جزاء وعدہ ہے وہ ان کو قوانین جزا و سزا کے تحت بطور استحقاق ملتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اسلامی عقائد و احکام کا تعلق آخرت کی جنت سے بذریعہ عقل نہیں سمجھا سمجھایا جا سکتا لیکن دنیا کی حیات طیبہ اور پائیدار امن و طمینان کی خوشگوار و پاکیزہ زندگی کا تعلق ایمانی عقائد اور شرعی احکام سے عقل و استدلال سے سمجھا سمجھایا جا سکتا ہے اگرچہ میری معلومات کی حد تک اسلامی نظام حیات پر اس طریقہ سے باقاعدہ علمی کام نہیں ہوا، یعنی ایسا نہیں ہوا کہ ایک طرف اسلام کی تمام اعتقادی اور عملی تعلیمات کو باقاعدہ ایک نظام فکر کی شکل میں مرتب کیا گیا اور پھر علمی و عقلی طریقہ سے یہ بتلایا اور واضح کیا گیا ہو کہ ان تعلیمات کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے سے وہ عادلانہ معاشرہ کس طرح عمل میں آ سکتا ہے جس میں ہر ہر فرد کے لیے پائیدار امن و اطمینان کی زندگی کا سامان ہو اور ہر شخص اپنی طبعی عمر تک امن و اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتا اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق ترقی کر سکتا ہو، ظاہر ہے کہ اگر اس اسلوب سے اسلامی نظام حیات پر علمی کام کیا گیا ہوتا تو آج مسلمانوں میں ایسے افراد کی تعداد بہت زیادہ ہوتی جو کسی بات کو ماننے سے پہلے یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس کو ماننے نہ ماننے کا یہاں دنیا میں کیا نفع و نقصان ہوگا، بلاشبہ آج دنیا میں ایسے مسلمانوں کی تعداد تو کروڑہا ہے جو تقلید اور روائتی طور پر اس کو مانتے اور اس سے جذباتی تعلق رکھتے ہیں لیکن ایسے مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے جو شعوری و استدلالی طور پر اس کو مانتے اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ اسلام اپنی افادیت کے لحاظ سے انسانیت کے لیے سب سے بہتر نظام زندگی ہے اور اس کے ذریعے انسان کو آخرت کی جنت سے پہلے اس دنیا میں بھی پائیدار امن و سکون اور مسرت و اطمئنان کی وہ خوشگوار زندگی مل سکتی ہے جس کی ہر انسان کے اندر پیدائشی و فطری طور پر طلب و خواہش پائی جاتی ہے اور جس کی تلاش و جستجو میں انسان سرگرداں و پریشان ہے۔

میں سمجھتا ہوں عصر حاضر میں اسلام کی دعوت و تبلیغ میں جس حکمت کو خاص طور پر اختیار کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اسلامی نظام کے اس پہلو کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جائے جو حیات دنیا کی بھلائی و بہتری سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ آج کا لکھا پڑھا انسان ہر اس چیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بخوشی قبول کرلیتا ہے جس کے متعلق وہ اپنی دانست میں یہ سمجھتا ہے کہ اس سے میری دنیوی زندگی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے ۔ اگرچہ وہ نہیں جانتا کہ انسان کی بنسبت نفع وضرر کا وہ حقیقی اور صحیح تصوّر کیا ہے جسے کسی چیز کے رد وقبول اور ترک و اختیار میں ملحوظ رکھا جانا چاہیے، لہٰذا ضروری ہے کہ نفع وضرر کے اُس حقیقی اور جامع تصوّر کو بھی واضح کیا جائے جسے اسلام نے اپنی تعلیمات میں مدنظر رکھا ہے ۔

اسی طرح میرا یہ خیال ہے کہ شائد اس علمی کام کے بغیر اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور احیاء نو کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے ، ادھر عام طور پر اسلام کی تعلیم وتدریس جدید وقدیم درسگاہوں میں جس انداز سے ہو رہی ہے اُس سے طالب علم کے سامنے دینِ اسلام ایک مرتب ومنظم نظامِ فکر کی صُورت میں نہیں آتا کہ اس کی تمام تعلیمات کے مابین ربط ونظم ہو اور وہ ایک خاص مقصد سے مربوط و وابستہ ہوں بلکہ وہ بکھرے ہوئے منتشر خیالات کی شکل میں سامنے آتی ہیں جن کا کوئی متعین اور قابلِ فہم مقصد نہیں جس کی روح ان تمام تعلیمات کے اندر جاری ساری ہو اور سب کا بلا واسطہ اور بالواسطہ اُس سے تعلق ہو چنانچہ اس اندازِ تعلیم کا نتیجہ وُہ بے شمار اختلافات ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مفاہیم ومطالب کے متعلق علماء کے مابین پائے جاتے اور جن کی وجہ سے اسلام بری طرح الجھ کر بلکہ ایک چیستان اور خواب پریشاں بن کر رہ گیا ہے ، اعتقاد وعمل سے متعلق شائد ہی کوئی اہم مسئلہ ہو جس کے بارے میں علماء وفقہاء کے مختلف بلکہ متضاد اقوال نہ پائے جاتے ہوں جن کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب درکار ہے۔

اختلافِ علماء کا اصل سبب

بات دراصل یہ ہے کہ جب کسی کل کے متعدد اجزاء میں سے ایک جزء کی جزوی حقیقت سے بحث کی جائے اور نہ اس بحث میں کل کے باقی اجزاء کا لحاظ رکھا جائے اور نہ کُل کے مقصدِ وجود کا ۔ تو اس صورت میں بحث کرنے والوں کی طرف سے اس جزء کے متعلق متعدد اور مختلف آراء سامنے آنا کوئی تعجب کی بات نہیں بخلاف اُس صورت کے جب ایک جزء سے متعلق بحث میں کُل کے باقی اجزاء اور اس کے مقصدِ وجود کا لحاظ رکھا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ایک جزء کے متعلق جو بات کہی جا رہی ہے وہ کل کے باقی اجزاء اور اس کے مقصدِ وجود سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں تو اس وقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت سی مختلف باتوں کی بجائے ایک ہی بات سامنے آئے گی یا متعدد باتوں میں سے صرف وہی صحیح قرار پائے گی جو باقی اجزاء اور مقصدِ کل کے مطابق ہوگی، اسلامی تعلیمات کے ساتھ بھی عموماً ایسا ہی ہوا، ایک تعلیم کے مفہوم و مطلب کے تعین میں نہ اسلام کی باقی تعلیمات کو دیکھا گیا اور نہ اسلام کے مقصدِ وجود کو، نتیجہ یہ کہ ایک ہی تعلیم کے مفہوم و مطلب کے متعلق مختلف علماء و فقہاء کی طرف سے مختلف بلکہ بعض دفعہ متضاد اقوال اس دعوے کے ساتھ سامنے آئے کہ ان میں سے ہر قول اسلام کے مطابق اور صحیح ہے، اس سے ایک جانب اسلام کے متعلق عام مسلمانوں کے فکر و عمل میں انتشار پیدا ہوا اور مختلف گروہ اور فرقے وجود میں آئے اور دوسری جانب اسلام کی اصل حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہوگئی اور وہ علماء و فقہاء کے مختلف اور متضاد اقوال کا مجموعہ بن کر رہ گیا، آج حال یہ ہے کہ جب علماء کرام سے اسلام کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ وہ متعین طور پر کیا ہے؟ تو اُس کے جواب مختلف علماء کی طرف سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف سامنے آتے ہیں جن کو سُن اور پڑھ کر ایک غیر جانبدار طالب علم حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا ہے اور ان میں سے ہر جواب کسی روایت یا کسی فقیہہ کے قول پر مبنی ہوتا ہے، بہر حال عبادات کے متعلق جو اختلافات ہیں چونکہ ان سے مقصدِ عبادت کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچتا اگر کوئی شخص خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو ہاتھ خواہ سینے پر باندھے ہوں یا ناف پر یا کھلے چھوڑے ہوں۔ رفع یدین کرتا ہو یا نہ کرتا ہو آمین باواز بلند کہتا ہو یا آہستہ، بہر صورت نماز کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن معاملات کے متعلق جو اختلافات ہیں وُہ مقصد کے لحاظ سے سخت مضر ہیں لہٰذا ان کو سلجھانا اور دور کرنا اسلام اور مسلمانوں دونوں کے لیے بے حد ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہ کہ اسلام کا جو دنیوی مقصد ہے اس کی روشنی میں اس قسم کے اختلافات کا پورے غور و فکر سے جائزہ لیا اور یہ دیکھا جائے کہ مختلف اقوال میں سے کونسا قول اس کے مطابق نہیں اور یہ کہ معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق قرآن مجید میں جو کلی اور اصولی تصوّر ہے کونسا قول اس کے مطابق اور کونسا مخالف ہے جو مطابق ہو اس کو صحیح اسلامی اور جو مطابق نہ ہو اسے غیر اسلامی سمجھا جائے، اسی طرح ایمانی عقائد کے متعلق جو اختلافات ہیں ان کا سلجھانا بھی نہایت ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کے مکمل ضابطۂ حیات ہونے کا مفہوم

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید ایک جامع اور مکمل کتاب زندگی اور ضابطۂ حیات ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا اور یہی ہو سکتا بھی ہے کہ اس کے اندر ہر شعبہ زندگی سے متعلق وہ اصول ومبادی تمام وکمال موجود ہیں جن کی اجمالی روشنی میں ہر جزوی مسئلے کا شرعی حل تجویز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ قرآن مجید میں یہ اُصول ومبادی اس شکل میں مذکور نہیں جس شکل میں وہ انسانوں کی تصنیف کردہ وضعی علوم کی کتابوں میں مذکور ہوتے ہیں یعنی اصول ومبادی الگ ذکر ہوتے اور اُن کی جزوی تفصیلات الگ بیان ہوتی ہیں قرآن میں ایسا نہیں بلکہ زیادہ تر وُہ اصول ومبادی ایسے جزئیوں کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں جو عام طور پر متعارف اور جانے پہچانے تھے مثلاً قرآن مجید کی آیت ہے وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو۔ اور اللہ نے معاملہ بیع کو حلال اور معاملہ ربٰو کو حرام ٹھہرایا۔ بظاہر اس آیت میں دو جزئیے بیان ہوئے ہیں ایک یہ کہ معاملہ بیع شرعاً حلال وجائز ہے اور دوسرا یہ کہ معاملہ ربٰو حرام وناجائز ہے لیکن دراصل اس میں ایک کلیہ بیان ہوا ہے اور وہ یہ کہ ہر وہ معاملہ جو اپنی حقیقت وماہیت اور اپنے اثرات ونتائج کے لحاظ سے معاملہ بیع سے ملتا جلتا ہو وہ شرعاً جائز اور جو معاملہ ربٰو کے مماثل ہو وہ حرام وناجائز ہے، چونکہ معاملہ بیع اور معاملہ ربٰو دو متعارف اور جانے پہچانے معاملے تھے لہٰذا ان کے حوالے سے یہ اصول کلی بیان کیا گیا تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو کیونکہ جزئیے سے جزئیے کو سمجھنا جتنا آسان ہوتا ہے کلیے سے جزئیے کو سمجھنا اتنا آسان نہیں ہوتا نیز اس میں غلطی کا امکان نسبتہً کم ہوتا ہے۔

بہر حال قرآن مجید میں جو اصول ومبادی ہیں ان کے تعین میں شان نزول کی روایات کا دخل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان روایات میں جو اختلاف ہے وُہ ان اصول ومبادی کے تعین میں رکاوٹ بنتا ہے علاوہ ازیں قرآن مجید کی حیثیت متن کی اور حدیث کی حیثیت اس کی شرح کی ہے اور چونکہ شرح کا کام متن کے نفس مفہوم کو متعین کرنا نہیں بلکہ اس مجمل مفہوم کی تفصیل وتوضیح کرنا ہے جو پہلے سے متعین ہوتا ہے بنا بریں حدیث کا کام قرآن کے نفس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفہوم کا تعین کرنا نہیں بلکہ اس مجمل مفہوم و مطلب کی تفصیل و تبیین کرنا ہے جو حدیث کے بغیر پہلے سے متعین ہوتا ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس طرح کسی شرح کی صحت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ متن کے اجمالی مفہوم کے مطابق ہو مخالف نہ ہو اسی طرح کسی روایت و حدیث کے صحیح ہونے کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کے اصولی و اجمالی مفہوم سے مطابقت رکھتی ہو، لہٰذا معاملات کے جواز و عدم جواز کے متعلق جو مختلف احادیث ہیں بعض ایک معاملہ کو جائز اور دوسری بعض اسی معاملہ کو ناجائز بتلاتی ہیں اور جن کی بنا پر فقہاء کے مابین اختلاف آراء پیدا ہوا ہے اُن میں سے جو قرآنی اصول سے مطابقت رکھتی ہوں ان کو صحیح اور جو مطابقت نہ رکھتی ہوں ان کو غیر صحیح قرار دیا جا سکتا ہے، اس طریقہ سے معاملات کے متعلق احادیث کی بنا پر فقہ کی تشکیل جدید بھی ہو سکتی ہے جس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے بہر حال یہ کام بھی اجتماعی اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں۔

یہ ضمنی بحث قدرے طویل ہو گئی ورنہ اصل بات جو میں عرض کر رہا تھا وُہ یہ ہے کہ احکام شریعت کا ایمانی عقائد کے ساتھ کئی وجوہ سے نہایت گہرا تعلق ہے بلکہ احکام شریعت کا ایمانی عقائد پر دار و مدار ہے اور مقصد اس عرض کرنے سے یہ تھا کہ احکام شریعت کا تعلق ایسے معاشرے سے ہے جس کی بڑی اکثریت کے اندر ایمانی عقائد اپنی صحیح صورت سے پائے جاتے ہوں چنانچہ جس معاشرے میں یہ چیز نہ ہو اس کے لیے شریعت کی بات بے معنی ہے ایسے معاشرے میں شریعت سے بے اعتنائی، بے رغبتی اور بیزاری کا پایا جانا ایک قدرتی امر ہے ایسے معاشرے کو اسلامی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کے اندر ایمانی عقائد کی بھرپور تبلیغ و تعلیم ہو صحیح عقائد ذہنوں میں بٹھلائے اور غلط دور کئے جائیں اس کے بغیر وہ ذہنی فضا تیار نہیں ہو سکتی جو شریعت کے قیام و بقا کے لیے ازبس ضروری ہے۔

عقائد میں بگاڑ کا نتیجہ

ادھر عام طور پر ہمارے نام نہاد مسلم معاشروں کی جو حالت ہے ایمانی عقائد کے لحاظ سے انتہائی مایوس کن اور حوصلہ شکن ہے شائد پانچ فیصد افراد بھی ایسے نہ مل سکیں جن کے دل و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دماغ میں ایمانی عقائد اپنی صحیح صورت سے موجود ہوں اور ان کے لازمی اثرات ان کی عملی زندگیوں پر نظر آتے ہوں، ورنہ عام طور پر ذہنوں میں ایمانی عقائد نہایت بگڑی ہوئی شکل میں پائے جاتے یا سرے سے پائے ہی نہیں جاتے، اس کا اظہار اُن گوناگوں مشرکانہ رسوم وظواہر اور مشرکیہ اقوال وافعال سے ہوتا ہے جو مسلمانوں کی عملی زندگی میں پائے جاتے ہیں، یہ مانا کہ وہ پتھروں اور دھاتوں کے بتوں کی پوجا و پرستش نہیں کر رہے لیکن ان کے سوا اور کونسا بُت ہے جس کی ان کے ہاں پوجا و پرستش نہیں ہو رہی، عقیدۂ توحید کی طرح عقیدۂ رسالت کے بگاڑ کا یہ حال ہے کہ یا تو رسول اللہؐ کو اللہ کے برابر سمجھ لیا گیا ہے یعنی وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہیں رسول اللہؐ کے لیے بھی مان لی گئیں ہیں جیسے حاضر ناظر ہونا وغیرہ یا پھر اس کو ایک چٹھی رساں ڈاکیے کی حیثیت دے دی گئی ہے گویا صرف اس کی پیش کردہ کتاب سے سروکار ہونا چاہیے اس کی سنت کی اتباع ضروری نہیں، پھر مسلمانوں میں ایسے بھی بکثرت ہیں جو رسول کی مختص صفات دوسرے نیک لوگوں اماموں پیروں اور ولیوں کے لیے مانتے اور اُن کی غیر مشروط اتباع و پیروی کرتے ہیں جیسی نبی و رسول کی ہونی چاہیے اس کا نتیجہ وہ گوناگوں بدعات ہیں جو دین کے نام پر ان کے اندر رائج ہیں بلکہ اب تو دین نام ہی بدعات کا ہو کر رہ گیا ہے خود ساختہ تہوار اور ایام اس اہتمام سے منائے جاتے ہیں کہ گویا اصل دین یہی ہیں اور پھر ایسی بدعات سے خاص طور پر دلچسپی رکھتے جن میں لہو ولعب، تفریح طبع اور حظ نفس کا سامان ہوتا ہے، غرضیکہ ایمانی عقائد کے بگاڑ اور فقدان کی وجہ سے ہمارے معاشرے یہ جانتے ہوئے ان تمام اخلاقی اور عملی برائیوں میں مبتلا ہیں کہ اسلام نے ان سے روکا اور منع کیا ہے اور باوجود کر سکنے کے اسلام کی نہایت واضح تعلیمات پر نہ صرف یہ کہ عمل نہیں کرتے بلکہ اُن کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے، ایسے بدعمل معاشرے میں سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر کچھ جدید مسائل کا اجتہاد کے ذریعے شرعی حل تجویز کر دیا جائے تو اس سے اس کو عملی طور پر کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے اگر اس کے لیے بعض حرام امور کو تاویلوں اور حیلوں کے ذریعے حلال و جائز ثابت کر دیا جائے تو اس سے اس کے بگاڑ میں کچھ کمی ہونے کی بجائے الٹا اضافہ ہی ہو سکتا ہے، بتلایئے کہ جس معاشرے میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج ہو اور وہ اس کو بدلنے کا کوئی ارادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ رکھتا ہوں اس کے اندر اجتہاد کے ذریعے بنکاری نظام کو سود سے پاک اسلامی بنانے کی کوشش کرنا، اپنی اجتہادی صلاحیتوں کو ضائع کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ مطلب یہ کہ جس معاشی نظام کی بنیاد ہی سود پر قائم ہو اُس کے ایک جزء کو کیسے غیر سودی بنایا جا سکتا ہے؟ اور پھر اجتہاد سے الفاظ تو بدل سکتے ہیں لیکن معروضی حقائق کبھی بدل نہیں سکتے۔ ان کے اثرات و نتائج ضرور ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔

بلاشبہ اضطراری حالات میں شریعت بعض حرام چیزوں کو وقتی طور پر اختیار کر لینے کی اجازت دیتی ہے لیکن یہ اجازت صرف ایسے مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے جو شریعت کی باقی تعلیمات پر سنجیدگی سے عمل کر رہے ہوں اور شریعت کے محرمات سے ضرور بچنا چاہتے ہوں نیز یہ اجازت دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے: ایک یہ کہ حرام کو حرام سمجھتے ہوئے نہ کہ حلال سمجھتے ہوئے بادل نخواستہ اختیار کیا جائے اور نیت اس کو جلد از جلد چھوڑ دینے کی ہو اور دوم یہ کہ اس حرام کو اسی قدر اختیار کیا جائے جس قدر ضرورت ہو اس سے زیادہ اختیار نہ کیا جائے۔

شریعت میں جمود و تغیر

اب میں مقالے کے اصل مقصد کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اگرچہ اب تک جو عرض کیا گیا اس میں بھی کچھ اشارے آ گئے ہیں جن سے اجمالی طور پر اندازہ ہو سکتا ہے کہ تغیر پذیر معاشرے میں شریعت کا کردار کیا ہے لیکن ضرورت ہے کہ اس کی کچھ تفصیل ہو جائے۔ سو اس بارے میں عرض ہے کہ جس طرح معاشرۂ انسانی ایک پہلو سے اپنے اندر جمود و ثبات اور دوسرے پہلو سے حرکت و تغیر رکھتا ہے اسی طرح اس سے متعلق شریعت بھی اپنے اندر جمود و ثبات بھی رکھتی ہے اور حرکت و تغیر بھی۔ شریعت کے جو اصول و مقاصد ہیں وہ چونکہ انسانی فلاح کے ایسے تصور سے تعلق رکھتے ہیں جو کبھی بدلتا نہیں لہذا ان اصول و مقاصد کے لحاظ سے شریعت میں جمود و ثبات ہے اور ان اصول و مقاصد کی جو عملی تفصیلات اور جزوی تطبیقات ہیں ان میں سے کچھ تغیر پذیر حالات و مصالح سے تعلق رکھتی اور تغیر پذیر ہیں لہذا ان کے اعتبار سے شریعت کے اندر حرکت بھی ہے اور تغیر بھی۔ شریعت کے اصول و مقاصد میں جمود و ثبات ہونے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلب یہ ہے کہ اُن میں نہ کوئی کمی بیشی ہوسکتی ہے اور نہ کوئی تغیر و تبدل ہوسکتا ہے اور شریعت کی عملی تفصیلات جن کو شریعت کے جزوی اور تطبیقی احکام کہا جاتا ہے ان میں حرکت و تغیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نئے نئے حالات و مسائل کے ساتھ ساتھ اُن کی تعداد میں بھی مسلسل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور حالات کے تغیر و تبدل کے ساتھ ان میں تغیر و تبدل بھی رونما ہوتا ہے، مثلاً قرآن مجید میں شریعت کے جو تفصیلی اور تطبیقی احکام تھے ان کی تعداد میں اس وقت بہت زیادہ اضافہ ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی اصول و احکام کی روشنی میں بہت سے ایسے امور و مسائل کے متعلق شرعی احکام تجویز فرمائے جو آپؐ کے عرب معاشرے میں پائے جاتے تھے اور جن کی شرعی حیثیات کا تعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی میں سے تھا، عہد رسالت کے بعد پھر عہد خلافت راشدہ اور عہد صحابۂ کرامؓ و تابعینؒ میں بہت سے نئے مسائل کے متعلق کتاب و سنت کی بنیاد پر نئے احکام شریعت تجویز ہوئے اور تعداد مزید بڑھ گئی اور پھر اسی طرح عہد بعہد تعداد بڑھتی ہی چلی گئی اگر شریعت کے ان احکام میں جمود ہوتا جو کتاب و سنت میں بیان ہوئے تھے تو ان کی تعداد میں اس کے بعد کوئی اضافہ نہ ہوتا حالانکہ کئی گنا اضافہ ہوا جس سے جمود کی نفی ہوتی ہے، اسی طرح شریعت کے تفصیلی و تطبیقی احکام میں تغیر و تبدل واقع ہونے کا ثبوت قرآن و حدیث کے احکام میں ناسخ و منسوخ کا پایا جانا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جن حالات میں ایک مسئلہ کے متعلق ایک حکم تجویز کیا گیا تھا جب وہ تبدیل ہوئے تو نئے حالات کے لیے نیا حکم تجویز ہوا جس نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا قرآن و حدیث میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں بہرحال یہ واقعہ ہے کہ احکام شریعت میں حالات کی رعائت کو ملحوظ رکھا گیا اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ان میں تبدیلی بھی واقع ہوئی لیکن عملاً یہ تبدیلی صرف اُن احکام میں وقوع پذیر ہوئی جن کا تعلق عبوری حالات اور وقتی مصالح سے تھا اور جو اِس اصول پر مبنی تھے کہ جب ناسازگار حالات کی وجہ سے کامل و پوری مصلحت کا حصول ممکن نہ ہو تو پھر وقتی طور پر ناقص و ادھوری مصلحت کو ہی اختیار کر لیا جائے، شریعت کے ان احکام میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی جو سازگار حالات سے متعلق اور مستقل و دائمی مصلحتوں پر مبنی تھے، ایسے احکام سے مراد وہ احکام ہیں جو عبادات اور مناکحات یعنی نکاح، طلاق وراثت وغیرہ عائلی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں یکساں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصالح کی بنا پر یہ احکام عرب و عجم کے ہر مسلم معاشرے میں قائم و برقرار رہے حالات کے تغیر و تبدل سے کبھی ان کے اندر تغیر و تبدل رونما نہیں ہوا، البتہ جو احکام سیاسی نوعیت کے اور غلاموں اور ذمیوں وغیرہ سے متعلق تھے وہ چونکہ سرے سے اسلام کے بعض بنیادی تصورات کے مطابق نہ تھے جیسے آزادی، مساوات اور تکریم آدمیت، جو اسلام کے مثالی معاشرے کی خصوصیات ہیں لہٰذا ایسے احکام کا آگے چل کر بدل جانا بلکہ ختم ہو جانا کوئی نہ ہونے والی اور تعجب کی بات نہیں اسی طرح احادیث کے وہ احکام جو معاشرتی طور طریقوں سے متعلق ہیں جیسے کھانے پینے، پہننے پوشنے، رہنے سہنے اور ملنے جلنے کے طور طریقوں اور آداب سے متعلق، ان میں سے جو ایسے ہیں جن پر عہد رسالت کے عرب معاشرے کے رسم و رواج اور عرف و عادت کی مخصوص چھاپ ہے ایسے احکام کی پابندی ہر مسلم معاشرے پر لازم نہیں بلکہ وُہ ہر معاشرے میں اسکے مخصوص عرف و عادت کے مطابق الگ الگ ہو سکتے ہیں اسلام کی رُو سے اُن پر کوئی پابندی عائد ہو سکتی ہے تو صرف یہ کہ ان میں سادگی، شائستگی اور عاجزی کا رنگ ہو جو اسلامی مزاج کی خصوصیات ہیں۔ غرضیکہ شریعت کے احکام نہ سب تغیر پذیر ہیں اور نہ سب غیر تغیر پذیر بلکہ ان میں سے بعض تغیر پذیر اور بعض غیر تغیر پذیر ہیں۔

نفاذِ شریعت میں حکمتِ عملی، تدریج

قرآن و حدیث میں جو شریعت کے تفصیلی احکام ہیں ان کے متعلق جو چیز بڑی اہمیت رکھتی اور جسے خصوصیت کے ساتھ جاننے کی ضرورت ہے وُہ وُہ حکمت عملی ہے جس کو ان احکام کی تطبیق اور تنفیذ میں پوری طرح ملحوظ رکھا گیا، شریعت کے اصل مأخذ اور حقیقی سرچشمہ قرآن مجید میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق جو احکام ہیں اُن کا بیشتر حصّہ مدنی زندگی کے دس سالہ دور میں رفتہ رفتہ اور درجہ بدرجہ نازل ہوا اور اس میں پہلی مسلم جماعت کے مختلف حالات کا پورا خیال و لحاظ رکھ گیا ہر حکم کا نزول اور نفاذ اُس وقت ہوا جب اس کے عمل میں آنے اور پائداری کے ساتھ قائم رہنے کے لیے مناسب اور موافق ذہنی اور خارجی فضا تیار ہو گئی تاکہ لوگ آسانی اور دلجمعی کے ساتھ اس پر عمل کر سکیں اور اس سے بچنے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چور دروازے نہ ڈھونڈیں مثال کے طور پر معاملہ ربٰو کو لیجیئے جہاں تک اس کے حرام ہونے کا تعلق تھا معاشی ظلم و حق تلفی پر مبنی ہونے کی وجہ سے روزِ اول سے حرام تھا لیکن اس کی ممانعت کا اعلان سنہ نو ہجری میں اُس وقت ہوا جب اس کے لیے سازگار ذہنی و خارجی فضا تیار ہو گئی سورہ بقرہ کی جن آیات میں اس کا اعلان ہوا وہ باعتبار نزول تقریبًا قرآن کی آخری آیات ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس خطبہ حجۃ الوداع میں اس کا اعلان ہوا اس کا زمانہ بھی سنہ دس ہجری ہے، یعنی یہ اعلان اس وقت ہوا جب ایک طرف ذہنوں میں قرض حسنہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ عمومی طور پر بیدار ہو گیا، دوسری طرف مسلمان معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل ہو گئے اور یہ اندیشہ نہ رہا کہ اگر یہود یوں کی طرف سے معاشی بائیکاٹ ہو گیا تو اس سے مسلمان جماعت اور اس کے نصب العین کو نقصان پہنچے گا، اور تیسری طرف بیت المال کا ایسا ادارہ قائم ہو گیا جس سے ضرورت مندوں کو معاشی سہارا مل سکتا تھا لہٰذا اب لوگوں کی طرف سے مخالف ردِ عمل کے ظہور کا اندیشہ نہ رہا جس کا اس سے پہلے اندیشہ ہو سکتا تھا مثلاً مدنی دور کے آغاز میں ربٰو کی تحریم اور ممانعت کا اعلان ہوتا تو اس سے ضرور پیچیدگیاں پیدا ہوتیں، مقصد حاصل نہ ہوتا اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا، یہی حکمت عملی دیگر احکام کے انطباق و نفاذ میں بھی کارفرما نظر آتی ہے مقصد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ لوگ آسانی کے ساتھ اس حکم کو مان کر دلجمعی سے اس پر عمل کر سکیں اور اس سے جو فائدہ برآمد ہو پائداری کے ساتھ قائم رہے مخالف ردِ عمل کے ظہور سے ضائع نہ ہو جائے۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نہایت بگڑے ہوئے معاشرے کی اسی حکمت عملی کے ساتھ بتدریج اصلاح فرمائی لہٰذا کبھی ایسا نہ ہوا کہ اصلاح کے سلسلہ میں جو قدم آگے بڑھا کسی مخالف ردِ عمل کے ظہور سے پیچھے ہٹ گیا اور پیش رفت رک گئی ہو، اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب تک اصل حقیقی شرعی حکم و قانون کے لیے سازگار حالات پیدا نہ ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درمیانی وقفہ کے لیے کچھ ایسے وقتی احکام سے کام لیا جو اس وقفہ میں نسبتہً بہتر ہو سکتے تھے اور آگے چل کر منسوخ قرار پائے مثلاً تحریم ربٰو کے قطعی اعلان سے پہلے ربٰو کی بعض بدترین صورتوں سے روکا جیسے اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَۃً والی صورت، اسی طرح مزارعت جو ربٰو کی طرح کا معاملہ تھا اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بعض نزاعی شکلوں سے روکا اور آگے چل کر اس کی ہر شکل کو ممنوع قرار دیا، تحریم خمر کے بارے میں بھی ایسا ہی ہوا۔

نفاذ شریعت اور اصلاح معاشرہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکیمانہ طریق کار اور طرز عمل ایک عظیم سنت ہے جس کی اتباع و پیروی مسلم زعماء و مصلحین پر لازم ٹھہرتی ہے جو اپنے بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح نفاذ شریعت کے ذریعے کرنا چاہتے ہوں ان پر لازم ٹھہرتا ہے کہ وہ معاشرے میں کوئی شرعی قانون نافذ کرنے سے پہلے یہ دیکھیں کہ اس میں وہ ذہنی اور خارجی فضا موجود ہے یا نہیں جو اس قانون کے عمل میں آنے اور پائیداری کے ساتھ قائم رہنے کے لیے ضروری ہے اگر موجود نہ ہو تو اس قانون کے انطباق اور نفاذ کو اس وقت تک مؤخر رکھیں جب تک کہ اس کے لیے سازگار حالات پیدا نہ ہو جائیں اور درمیانے عرصہ کے لیے وقتی طور پر ایسا قانون اختیار کریں جو ان حالات میں قابل قبول اور قابل عمل ہو اور جس پر عمل کرنے سے صورتِ حال نسبتہً بہتر بن سکتی ہو، گویا اس عبوری قانون کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ قابل عمل بھی ہو یعنی اس پر عمل سے مخالف ردعمل کا اندیشہ نہ ہو نیز اپنی وضع کے لحاظ سے ایسا ہو کہ اس پر عمل سے حالات میں کچھ نہ کچھ بہتری پیدا ہو سکتی ہو اگر ان دو خوبیوں میں سے ایک بھی اس میں موجود نہ ہو تو وہ غلط قرار پاتا ہے۔

شریعت کا کردار

تغیر پذیر معاشرے میں شریعت کا جو کردار ہے کچھ واضح الفاظ میں اس کا بیان یہ ہے کہ جس معاشرے نے اللہ، رسول، قرآن اور آخرت وغیرہ پر ایمان لا کر یہ طے کر دیا ہو کہ وہ اپنی پوری زندگی، اللہ اور اس کے رسول کے ہدایت کردہ احکام کے مطابق بسر کرے گا اسلامی شریعت ایسے معاشرے کی خیر و بھلائی کا ہر حال اور ہر حالت میں خیال رکھتی اور اسے زندہ و قائم رہنے کا ڈھنگ سکھاتی ہے ایک طرف اسے ایسے عادلانہ اصول و احکام دیتی ہے جن پر عمل کرنے سے معاشرے کے ہر ہر فرد کے حقوق ٹھیک ٹھیک محفوظ ہو جاتے اور اسے اپنی طبعی عمر تک امن و اطمینان کے ساتھ زندہ رہنے اور اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق ترقی کرنے کا موقع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملتا ہے، لیکن شریعت کے یہ اصول و احکام ایسے ہیں کہ ان پر پوری طرح عمل اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ معاشرے کی بڑی اکثریت کے ذہنوں میں ایمانی عقائد کی بنیاد پر وسیع و عالمگیر قسم کے اخلاقی جذبات و احساسات پیدا نہ ہو جائیں جو ایک انسان کو ہر دوسرے انسان کے ساتھ عدل و احسان کرنے پر ابھارتے ہیں اور جب تک معاشرہ اپنی معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور سیاسی اعتبار سے کامل طور پر آزاد و خود مختار نہ ہو جائے، ظاہر ہے کہ بعض دفعہ اس میں کافی وقت لگ جاتا ہے لہٰذا تا وقتیکہ وہ مذکورہ ذہنی اور خارجی حالات معاشرے میں پیدا نہ ہو جائیں اس درمیانے وقت کے لیے شریعت اس معاشرے کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ ایک طرف ایسا تعلیمی نظام رائج کرے جس سے ذہنوں میں ایمانی عقائد کے ساتھ بنی نوع انسان کی ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ اور عدل و انصاف کا ہمہ گیر احساس و داعیہ پیدا ہو سکے اور دوسری طرف وہ معروف عملی طور و طریقے اختیار کرے جو معاشی خود کفالت اور سیاسی خود مختاری کے لیے ضروری ہوتے ہیں تیسری طرف اجتماعی امور و معاملات میں نظم و ضبط قائم رکھنے اور کاروبار زندگی کو باقاعدگی کے ساتھ چلانے کے لیے عبوری قوانین وضع کرے جو قابل قبول اور قابل عمل بھی ہوں اور جن پر عمل کرنے سے اجتماعی حالت نسبتہً سدھر اور کچھ نہ کچھ بہتر بن سکتی اور شریعت کے حقیقی و مثالی اصول و احکام کے عمل میں آنے کی منزل قریب تر ہو سکتی ہو، اور چونکہ اس عبوری قانون سازی کا تعلق معاشرے کے تغیر پذیر حالات سے ہوتا ہے جو کچھ نہ کچھ بدلتے رہتے ہیں لہٰذا عبوری قانون سازی کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور نئے سے نئے عبوری قوانین بنتے رہتے ہیں۔ اور پھر چونکہ یہ تغیر پذیر عبوری قوانین کامل عدل پر مبنی نہیں جو شریعت کا اصل منشا ہے بلکہ ان میں ظلم و حق تلفی کا کچھ نہ کچھ عنصر ضرور موجود رہتا ہے لہٰذا ان کو حقیقی طور پر تو اسلامی اور شرعی نہیں کہا جا سکتا لیکن چونکہ یہ شریعت کی حکمت عملی کے مطابق ہوتے اور ان کو شریعت کی طرف سے سند جواز حاصل ہوتی ہے لہٰذا ان کو نسبتی اور اضافی طور پر اسلامی اور شرعی کہہ سکتے ہیں۔

مقننہ کے اوصاف

بہر حال عبوری حالات کے لیے عبوری قانون سازی کا کام بڑا اہم اور خاصا مشکل و نازک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام ہے جس کو ایک جماعت ہی انجام دے سکتی ہے جس کے ارکان ایک طرف معاشرے کے موجودہ ذہنی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی، سیاسی قومی اور بین الاقوامی حالات سے اچھی طرح باخبر ہوں، دوسری طرف وہ ان اصول و مقاصد کا گہرا علم رکھتے ہوں جو اسلام نے ہر شعبہ زندگی کے لیے تجویز کئے ہیں بالخصوص دنیوی فوز و فلاح کے اس تصور سے آگاہ ہوں جسے اسلام نے اپنی جملہ تعلیمات میں بطور اعلیٰ مقصد کے سامنے رکھا ہے نیز اس حکمت عملی سے بھی خوب واقف ہوں جسے عبوری قانون سازی اور مستقل قوانین کے انطباق میں ملحوظ رکھنے کی اسلام نے تعلیم دی ہے، تیسری طرف وہ جدید قانونی تصورات اور قانونی اسالیب سے ایک حد تک باخبر ہونے کے ساتھ تفقہ یعنی بات کی تہہ تک پہنچنے کی سمجھ، کلیات سے جزئیات کے استنباط اور جزئیات سے کلیات کے استخراج کی غیر معمولی صلاحیت سے آراستہ ہوں، عصر حاضر میں ایسی جماعت کا کام منتخب قانون ساز اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں سے لیا جائے تو زیادہ مؤثر اور بہتر ثابت ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے البتہ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ دستور میں اسمبلی و پارلیمنٹ کی ممبری کے لیے جو اوصاف مقرر کئے جائیں اُن میں مذکورہ اوصاف بھی ضرور شامل ہوں اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ اسمبلیوں میں پہنچنے کے لیے اپنے اندر مذکورہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اور ایسے قابل قدر افراد کی تعداد ملک کے اندر مسلسل بڑھتی چلی جائے گی جو معاشرے کے تغیر پذیر حالات میں شریعت اسلامی کے مطابق عبوری قانون سازی کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہوں، غور سے دیکھا جائے تو آج مسلم معاشروں میں اجتماعی مسائل کے متعلق جو شدید انتشار و افتراق ہے اور کوئی مسئلہ صحیح اور اطمینان بخش طور پر حل نہیں ہورہا تو اس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب اُن کے اندر ایسے افراد کا قحط و فقدان نظر آتا ہے جو مذکورہ اوصاف کے حامل ہوں عام طور پر وہ لوگ ادھورے اور یکطرفہ علم و فہم کے لحاظ سے ٹُٹ پونجیئے ہیں جو قوم کی سیاست و قیادت کر رہے ہیں، اجتماعی مسائل کے حل کے لیے جس اجتہاد کی اشد ضرورت ہے افسوس کہ اس کی اہلیت رکھنے والے ہمارے معاشروں میں خال خال اور شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں یہ ایک قومی المیہ ہے جس کا علاج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے خیال میں یہ ہے کہ اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں کی ممبری و رکنیت کے لیے مذکورہ اوصاف کو دستوری طور پر لازمی قرار دیا جائے، ظاہر ہے کہ ایسے افراد کی تیاری میں وقت لگے گا لہٰذا اس کے لیے ایک مناسب مدت مقرر کی جا سکتی ہے۔ بہر کیف اگر دستوری طور پر یہ طے کر دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد ہمارے ہاں ایسے جامع افراد کی خاصی تعداد وجود میں نہ آجائے اور ہمارے قومی و اجتماعی مسائل اطمینان بخش طور پر حل نہ ہونے لگیں اور صورتِ حال میں خوشگوار تبدیلی رونما نہ ہو! وَاللّٰہُ ھو الموفق۔

© rasailojaraid.com